قرآن، سنت اور قربانی

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی°

کئی سال سے مسلسل یہ دیکھا جارہا ہے کہ ہر بقرعید کے موقعے پر اخبارات اور رسالوں کے ذریعے سے بھی اور اشتہاروں اور پمفلٹوں کی صورت میں بھی، قربانی کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان اُٹھایا جاتا ہے، اور ہزاروں بندگانِ خدا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا جاتا ہے کہ: ''یہ کوئی دینی حکم نہیں ہے بلکہ ایک غلط اور نقصان دہ رسم ہے، جو ملاؤں نے ایجاد کرلی ہے''۔

اس وسوسہ اندازی کے خلاف قریب قریب ہر سال ہی علما کی طرف سے مسئلے کی پوری وضاحت کر دی جاتی ہے۔ قربانی کے ایک حکمِ شرعی ہونے اور مسنون اور واجب ہونے کے دلائل دیے جاتے ہیں، اور مخالفین کے استدلال کی کمزوریاں کھول کر رکھ دی جاتی ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد، دوسرے سال پھر دیکھا جاتا ہے کہ وہی لگی بندھی باتیں، اسی طرح دُہرائی جارہی ہیں۔ گویا نہ کسی نے قربانی کے مشروع [یعنی شریعت کے مطابق] ہونے کا کوئی ثبوت دیا اور نہ اس کے خلاف دلیلوں کی کوئی کمزوری واضح کی، بلکہ [بعض افراد نے] تو ایک قدم اور آگے بڑھا کر حکومت کو بے تکلف یہ مشورہ دے دیا ہے کہ: 'وہ قربانی کو ازروے قانون محدود کرنے کی کوشش کرے'۔

° آج سے ۶۰ برس پہلے، جب کھلے اور چھپے میں، کچھ مغرب زدہ یا تحریف دین کی خواہش رکھنے والے عناصر نے 'بقرعید' کے موقعے پر قربانی کے 'غیرضروری' ہونے کی باتیں شروع کیں، تو مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ومغفور نے اس پروپیگنڈے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے یہ تحریر بطور 'اشارات' لکھی ایک مدت تک مخالف محاذ پر خاموشی چھائی رہی۔ افسوس کہ آج ۶۰ برس گزرنے کے بعد میڈیا، سوشل میڈیا پہ وہی عناصر قربانی کے حوالے سے اسی نوعیت کی گفتگوئیں پیش کر رہے ہیں، اس کی مناسبت سے یہ تحریر مطالعے کے لیے پیش ہے۔ ادارہ

ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں، جو [اگست ۱۹۴۷ء] تک متحدہ ہندستان کا ایک حصّہ تھا۔ ہماری سرحد کے اُس پار ہمارے کروڑوں دینی بھائی اب بھی سابق متحدہ ہندستان کے اُس حصّے میں موجود ہیں، جس سے ہم الگ ہوئے تھے۔ ان کو آج بھی اُسی قوم سے سابقہ درپیش ہے جس سے کبھی ہم کو درپیش تھا، بلکہ وہ آج تقسیم سے قبل کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ کمزوری اور مغلوبی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ اُن پر جس قوم کو غلبہ حاصل ہے، وہ سالہا سال سے گائے کی قربانی پر ہمارے ساتھ سر پھٹول کرتی رہی تھی، اور تقسیم کے بعد جب اسے مسلمانوں پر پورا قابو حاصل ہوا تو اس نے سب سے پہلے ان کو اسی حق سے محروم کیا۔

اب یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان جو ہندو تہذیب و تمدن کے تسلط سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو بچانے کے لیے بنا تھا، وہی آگے بڑھ کر ہندستان کے ہندوؤں کو یہ رہنمائی دے کہ: ''مہاراج! گائے کی قربانی کیسی؟ آپ تو ہر قسم کی قربانی ازروے قانون بند کر سکتے ہیں۔ یہ چیز سرے سے شعائر اسلام میں داخل ہی نہیں ہے کہ اسے روک دینے پر آپ کو کسی مذہبی تعصب کا الزام دیا جاسکے۔ حق بجانب وہ مسلمان نہیں ہے جو اسے اپنا مذہبی حق کہہ کر اس پر اصرار کرتا ہے، بلکہ وہ ہندو ہے جو اِس غیر مذہبی رسم سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمیں تو پاکستان میں اس جاہل مسلم اکثریت سے سابقہ ہے، اس لیے یہاں ہم بربناے احتیاط بتدریج اسے محدود کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ کو تو کسی کا ڈر نہیں ہے۔ آپ یک قلم اسے مسدود فرما دیں۔ اس معاملے میں شریعتِ اسلام، مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہوگی!''

کس قدر جلدی بُھولے ہیں ہم اُس حالت کو، جس سے خدا نے ہمیں نکالا اور جس میں ہمارے کروڑوں بھائی اب بھی مبتلا ہیں۔ شاید برطانوی ہند میں ہندوؤں سے ہماری کش مکش صرف اس لیے تھی کہ اپنی تہذیب کا جھٹکا دوسروں سے کرانے کے بجاے ہم خود اسے حلال کرنا چاہتے تھے۔

تفرقے کو ہوا دینے کی کوشش

مسلمانوں میں اختلافات کی پہلے ہی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ تفرقوں کی ماری ہوئی قوم فی الواقع رحم کی مستحق تھی۔ کسی کے دل میں اس کے لیے خیرخواہی کا جذبہ موجود ہوتا تو وہ یہ سوچتا کہ اس کے اختلافات میں اتفاق کی کوئی راہ دریافت کرے۔ لیکن یہاں حال یہ ہے کہ جو لوگ خیرخواہی کے

ارادے یا دعوے سے اُٹھتے ہیں، وہ ان چیزوں میں بھی اختلاف کی راہیں نکال رہے ہیں، جن میں خوش قسمتی سے مسلمانوں کے درمیان ابتدا سے آج تک اتفاق موجود ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور ملّت کی صحیح خیرخواہی یہ ہے کہ متفق علیہ مسائل کو بھی کسی نہ کسی طرح اختلافی بنا دیا جائے، اور کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جائے جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ سب مسلمان اس میں متفق ہیں۔

قربانی کا مسئلہ ایسے ہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے۔ پہلی صدی ہجری کے آغاز سے آج تک مسلمان اس پر متفق رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی پوری چودہ صدیوں میں آج تک اس کے مشروع اور مسنون ہونے کے بارے میں اختلاف نہیں پایا گیا ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ اور اہلِ حدیث متفق ہیں۔ اس میں شیعہ اور سُنّی متفق ہیں۔ اس میں قدیم زمانے کے مجتہدین بھی متفق تھے اور آج کے سب فرقے بھی متفق ہیں۔ اب یہ تفرقہ و اختلاف کا شیطانی ذوق نہیں تو اور کیا ہے کہ کوئی شخص ایک نرالی بات لے کر اُٹھے اور اس متفق علیہ اسلامی طریقے کے متعلق بے چارے عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرے کہ یہ 'تو سرے سے کوئی اسلامی طریقہ ہی نہیں ہے'۔

پھر یہ اختلاف بھی کسی معمولی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک بہت بڑی فتنہ انگیز بنیاد پر اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی سوال یہ چھیڑا گیا ہے کہ: 'یہ بقرعید کی قربانی آخر تم کس سند (authority) پر کرتے ہو، قرآن میں تو اس کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے؟' دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ: 'اسلام میں سند صرف ایک قرآن ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کوئی سند نہیں ہے'۔ حالانکہ جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے، اسی نے اپنا رسولؐ بھی مبعوث کیا تھا۔ اس کا رسولؐ اسی طرح ایک اتھارٹی ہے، جس طرح اس کی کتاب۔

اس کے رسولؐ کی اتھارٹی کسی طرح بھی اس کی کتاب کی اتھارٹی سے کم نہیں ہے۔ نہ وہ کتاب کے ساتھ کوئی ضمنی حیثیت رکھتی ہے، نہ اس کے ذریعے سے دیے ہوئے کسی حکم کے لیے قرآن کی توثیق کسی درجے میں بھی ضروری ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ قرآن جس کی سند پر کلام اللہ مانا گیا ہے وہ بھی رسولؐ ہی کی سند ہے۔ اگر رسولؐ نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ: 'یہ قرآن، خدا نے اس پر نازل کیا ہے، تو ہمارے پاس نہ یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تھا اور نہ یہ ماننے کی کوئی وجہ تھی کہ یہ کتاب

خدا کی کتاب ہے۔ اب یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ جو حکم رسولؐ نے دیا ہو اور جس طریقے پر رسولؐ نے خود عمل کیا اور اہلِ ایمان کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہو، اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ: 'اس کا حکم قرآن میں ہو تو ہم مانیں گے، ورنہ پیروی سے انکار کر دیں گے؟'—اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ: 'خدا کی کتاب تو واجب الاتباع ہے مگر خدا کا رسولؐ واجب الاتباع نہیں ہے'۔

رسالت کا غلط تصور

یہ بات حقیقت کے خلاف بھی ہے اور سخت فتنہ انگیز بھی۔

حقیقت کے خلاف یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ محض ایک ڈاکیہ بنا کر نہیں بھیجا تھا کہ: 'آپ کا کام اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دینے کے بعد ختم ہوجائے اور اس کے بعد بندے، اللہ کے نامۂ گرامی کو لے کر جس طرح ان کی سمجھ میں آئے، اس کی تعمیل کرتے رہیں'۔

خود قرآن کی رُو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی نوعیت کفّار کے لیے الگ اور اہلِ ایمان کے لیے الگ ہے۔ کفّار کے لیے آپؐ بے شک صرف مبلّغ اور داعی الی اللہ ہیں، مگر جو لوگ ایمان لے آئیں، ان کے لیے تو آپؐ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مکمل نمایندے ہیں۔ آپؐ کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے، مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ [النساء ۴:۸۰]۔ آپؐ کے اتباع کے سوا اللہ کی خوشنودی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [اٰلِ عمرٰن ۳:۳۱]۔ اللہ نے آپؐ کو اپنی طرف سے معلّم، مربی، رہنما، قاضی، امر و ناہی اور حاکمِ مطاع، سب کچھ بنا کر مامور فرمایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے عقیدہ و فکر، مذہب و اخلاق، تمدن و تہذیب، معیشت و سیاست، غرض زندگی کے ہر گوشے کے لیے وہ اصول، طریقے اور ضابطے مقرر کریں، جو اللہ کی پسند کے مطابق ہوں۔ اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ جو کچھ آپؐ نے سکھایا اور مقرر کیا ہے، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ رسولؐ اللہ جو حکم دیں اس پر ان سے سند طلب کرے۔ رسولؐ اللہ کی ذات خود سند ہے۔ اس کا حکم بجاے خود قانون ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی مسلمان یہ سوال کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ جو حکم رسولؐ نے دیا ہے اس کا حوالہ قرآن میں ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کوئی ہدایت خواہ

اپنی کتاب کے ذریعے سے دے یا اپنے رسولؐ کے ذریعے سے، سند اور وزن کے اعتبار سے دونوں بالکل یکساں ہیں اور قانونِ الٰہی ہونے میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

منصبِ رسالتؐ پر حملہ

بالکل غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ: 'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فیصلوں اور ہدایات کی قانونی حیثیت صرف اپنے عہد کے رئیس مملکت (Head of the State) ہونے کی بنا پر تھی، یعنی جب آپ رئیسِ مملکت تھے اس وقت آپؐ کی اطاعت واجب تھی اور اب جو [فرد] رئیسِ مملکت یا 'مرکزِ ملّت' ہوگا، اس کی اطاعت اب واجب ہوگی۔ یہ [منصبِ] رسالت کا بدترین تصور ہے جو کسی شخص کے ذہن میں آ سکتا ہے۔ اسلامی تصورِ رسالت سے اس کو دُور کا واسطہ بھی نہیں:

- رئیسِ مملکت کے منصب کو آخر رسولؐ کے منصب سے کیا نسبت ہے؟ اس [یعنی رئیس مملکت] کو عام مسلمان منتخب کرتے اور وہی معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ حالانکہ رسولؐ کو خدا مقرر کرتا ہے اور خدا کے سوا کسی کو اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔
- رئیسِ مملکت جس علاقے کا رئیس ہو، اور جب تک اس منصب پر رہے، صرف اسی علاقے میں، اسی وقت تک اس کو رئیس ماننا واجب ہے اور پھر بھی اس پر ایمان لانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اُسے نہ مانے تو ملّتِ اسلام سے خارج ہوجائے۔ حالانکہ رسولؐ جس آن مبعوث ہوا، اس وقت سے قیامت تک دنیا میں کوئی شخص اس پر ایمان لائے بغیر ملّت اسلامیہ کا فرد نہیں بن سکتا۔
- رئیسِ مملکت کو آپ دل میں بُرا جان سکتے ہیں، اس کو برملا بُرا کہہ سکتے ہیں، اس کے قول و فعل کو علانیہ غلط کہہ سکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن رسولؐ کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرنا تو درکنار، اس کا خیال بھی اگر دل میں آجائے تو ایمان سلب ہوجائے۔
- رئیسِ مملکت کے حکم کو ماننے سے آپ صاف انکار کر سکتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ بس ایک جرم ہوگا، مگر رسولؐ کے حکم کو اگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ رسولؐ کا حکم ہے، آپ ماننے سے انکار کر دیں تو قطعی خارج از اسلام ہوجائیں۔ اس کے حکم پر تو آپ چون و چرا تک

نہیں کر سکتے، بلکہ اس کے خلاف دل میں کوئی تنگی تک محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔

- رئیسِ مملکت عوام کا نمایندہ ہے اور رسولؐ اللہ کا نمایندہ۔
- رئیسِ مملکت کی زبان قانون نہیں ہے، بلکہ اُلٹا قانون اس کی زبان پر حاکم ہے، مگر رسولؐ اللہ کی زبان قانون ہے، کیونکہ خدا اسی زبان سے اپنا قانون بیان کرتا ہے۔

اب یہ کیسا سخت طغیانِ جاہلیت ہے کہ رسولؐ کو محض ایک علاقے اور زمانے کے رئیسِ مملکت کی حیثیت دے کر کہا جائے کہ: 'اس کے دیے ہوئے احکام اور ہدایات بس اسی زمانے اور علاقے کے لوگوں کے لیے واجب الاتباع تھے، آج ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں'۔

ملّت اسلامیہ کی اساس پر زد

یہ تو ہے حقیقت کے خلاف اس تصور کی بغاوت۔ اب ذرا اس کی فتنہ انگیزی کا اندازہ کیجیے۔ آج جس چیز کو آپ اسلامی نظامِ حیات اور اسلامی تہذیب و تمدن کہتے ہیں، جس کے اصولوں اور عملی مظاہر کی یکسانی نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک ملّت بنا رکھا ہے، جس کی یک رنگی نے مسلم کو مسلم سے جوڑا اور کافر سے توڑا ہے، جس کی امتیازی خصوصیات نے مسلمانوں کو ساری دنیا میں غیر مسلموں سے ممیز کیا اور سب سے الگ ایک مستقل اُمت بنایا ہے، اس کا تجزیہ کر کے آپ دیکھیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا کم از کم ۱۰/۹ حصّہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقتدارِ رسالت سے مسلمانوں میں رائج کیا ہے، اور بمشکل ۱۰/۱ حصّہ ایسا ہے جس کی سند قرآن میں ملتی ہے۔ پھر اس ۱۰/۱ کا حال بھی یہ ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد کی وہ صورت شریعتِ واجب الاتباع نہ ہو، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے تو دنیا میں مختلف مسلمان ـــ افراد بھی اور گروہ بھی اور ریاستیں بھی ـــ اس پر عمل درآمد کی اتنی مختلف شکلیں تجویز کر لیں کہ ان کے درمیان کوئی وحدت و یک رنگی باقی نہ رہے۔

اب خود اندازہ کر لیجیے کہ اگر وہ سب کچھ ساقط کر دیا جائے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رواج دینے سے مسلمانوں میں رائج ہے، تو اسلام میں باقی کیا رہ جائے گا، جسے ہم اسلامی تہذیب و تمدن کہہ سکیں اور جس پر دنیا بھر کے مسلمان مجتمع رہ سکیں؟

مثال کے طور پر دیکھیے۔ یہ اذان جو دنیا بھر میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں ملّی شعار ہے،

جسے روے زمین کے ہرگوشے میں ہر روز پانچ وقت مسلم اور کافر سب سنتے ہیں، اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مقرر اور رائج کیا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ نہ وہ اس کے الفاظ بتاتا ہے، نہ یہ حکم دیتا ہے کہ روزانہ پانچ وقت نمازوں سے پہلے یہ پکار بلند کی جائے:

- اس میں ایک جگہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ [الجمعۃ ۶۲:۹] ''جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑو اللہ کی یاد کی طرف''۔ ظاہر ہے کہ یہ پکار سن کر دوڑنے کا حکم ہے، خود اس پکار کا حکم نہیں ہے۔
- دوسری جگہ اہلِ کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ط [المائدہ ۵:۵۸] ''جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں''۔ یہ سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ صرف ایک رائج شدہ چیز کا مذاق اُڑانے پر 'اہلِ کتاب' کی مذمت کی جارہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ اختیار و اقتدار جس نے اس اذان کے الفاظ مقرر کیے اور اسے مسلمانوں میں رواج دیا، دائمی اور عالم گیر شریعت مقرر کرنے کا مجاز نہ ہوتا، تو کیا صرف ان دو آیتوں کی بنیاد پر آج دنیا میں آپ اذان کی آواز کہیں سن سکتے تھے؟

خود یہ نماز باجماعت جس کے لیے اذان دی جاتی ہے، اور یہ نمازِ جمعہ جس کی پکار سن کر دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ عیدین جو ہزارہا مسلمانوں کو اکٹھا کرتی ہیں، اور یہ مسجدیں جو دنیا بھر میں مسلم معاشرے کی اجتماعی زندگی کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہو۔ قرآن صرف نماز کا حکم دیتا ہے، باقاعدہ نماز باجماعت ادا کرنے کا کوئی صاف حکم نہیں دیتا۔ جمعہ کی نماز کے لیے وہ صرف یہ کہتا ہے کہ جب اس کے لیے پکارا جائے تو دوڑ پڑو۔ اسے خود نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم مشکل ہی سے کہا جاسکتا ہے۔ عیدین کی نمازوں کا تو سرے سے اس میں کوئی ذکر ہی نہیں۔ رہیں مسجدیں تو ان کے احترام کا حکم ضرور قرآن میں دیا گیا ہے، مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ: 'اے مسلمانو! تم اپنی ہر بستی میں مسجد تعمیر کرو اور اس میں ہمیشہ نمازِ باجماعت قائم کرنے کا اہتمام کرو'۔ یہ ساری چیزیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس اختیار و اقتدار کی بنا پر، جس کے ساتھ اللہ نے آپؐ کو شارع مقرر کیا تھا، مسلمانوں میں رائج کی

ہیں۔ اگر یہ اختیار واقتدار مسلّم نہ ہوتا، تو اسلام کے یہ نمایاں ترین شعائر جن کا مسلمانوں کو مجتمع کرنے اور ایک یک رنگ اُمت بنانے اور اسلامی تہذیب کی صورت گری کرنے میں سب سے زیادہ حصّہ ہے، کبھی قائم نہ ہوتے اور مسلمان آج مسیحیوں سے بھی زیادہ منتشر و پراگندہ ہوتے۔

یہ صرف سامنے کی چند مثالیں ہیں۔ ورنہ تفصیل کے ساتھ دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک کتاب ہی ملی ہوتی اور اس کے ساتھ اللہ کے رسولؐ نے آ کر انفرادی زندگی سے لے کر خاندان، معاشرے اور ریاست تک کے معاملات میں ہمارے لیے تہذیب کی ایک متعین صورت نہ بنادی ہوتی، تو آج ہم ایک ممتاز عالم گیر ملّت واحدہ کی حیثیت سے موجود نہ ہوتے۔ اب جو شخص اس رسالتؐ کی شرعی حیثیت اور اس کی قانونی سند کو چیلنج کرتا ہے، اس کے اس چیلنج کی زد ایک 'قربانی' کے مسئلے یا دو چار منفرد مسئلوں پر نہیں پڑتی، بلکہ اسلامی تہذیب کے پورے نظام اور ملّت اسلامیہ کی اساس و بنیاد پر پڑتی ہے۔ جب تک ہم بالکل خودکشی پر آمادہ نہ ہوجائیں، ہمارے لیے کسی کی یہ بات ماننا محال ہے کہ: 'جس چیز کی سند قرآن میں ملے بس وہی باقی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پر جتنی چیزوں کا مدار ہے وہ سب ساقط کردی جائیں'۔

سنت، قرآن کی عملی تشریح ہے!

اعتراض کی اس غلط بنیاد اور اس کے خطرناک نتائج کو سمجھ لینے کے بعد اب بجاے خود اس مسئلے کو دیکھیے، جس پر اعتراض کیا جارہا ہے۔ 'قربانی' کے متعلق یہ کہنا کہ: 'قرآن میں سرے سے اس کا کوئی حکم ہی نہیں ہے، خلافِ واقعہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن وہ اصولی حقائق بیان کرتا ہے، جس کی بنا پر انسان کو اللہ تعالیٰ کے لیے جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے، اور پھر اس کا ایک عام حکم دے کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس حکم پر عمل درآمد کیسے کیا جائے؟ اس کی کوئی تصریح وہ نہیں کرتا۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپؐ اُسی خدا کی ہدایت کے تحت، جس نے قرآن آپؐ پر نازل کیا تھا، اس کی عملی صورت، اس کا وقت، اس کی جگہ اور اس کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ مسلمانوں کو بتائیں اور خود اس پر عمل کر کے دکھائیں۔

یہ کام تنہا ایک قربانی کے متعلق ہی نہیں، قرآن کے دوسرے احکام کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، وراثت، غرض مسلم معاشرے کے

مذہب اور تمدن و معاشرت اور معیشت و سیاست اور قانون و عدالت اور صلح و جنگ کے تمام معاملات میں یہی کچھ ہوا ہے کہ قرآن نے کسی کے بارے میں مختصر اور کسی کے بارے میں کچھ تفصیل کے ساتھ احکام دیے، یا صرف اشارتاً اللہ تعالیٰ کی مرضی بیان کر دی، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں واضح حدود کے ساتھ متعین فرمائیں، ان پر خود کام کر کے دکھایا، اور اپنی رہنمائی میں ان کو رائج کیا—کوئی صاحبِ عقل آدمی اس میں شک نہیں کرسکتا کہ کتابی رہنمائی کے ساتھ یہ عملی رہنمائی بھی انسانوں کو درکار تھی، اور اس رہنمائی کے لیے اللہ کے رسولؐ کے سوا کوئی دوسرا نہ موزوں ہوسکتا تھا نہ مجاز۔

قربانی کا قرآن میں حکم اور حکمت

قرآن میں [قربانی کے] مسئلے کے متعلق جو اصولی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- 'عبادت کی تمام وہ صورتیں جو انسان نے غیراللہ کے لیے اختیار کی ہیں، دین حق میں وہ سب غیراللہ کے لیے حرام اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے واجب کر دی گئیں' مثلاً:

—انسان غیراللہ کے آگے جھکتا اور سجدے کرتا تھا۔ دین حق نے اسے اللہ کے لیے مخصوص کر دیا اور اس کے لیے نماز کی صورت مقرر کر دی۔

—انسان غیراللہ کے سامنے مالی نذرانے پیش کرتا تھا۔ دین حق نے اسے اللہ کے لیے خاص کر دیا اور اس کی عملی صورت 'زکوٰۃ' مقرر کر دی۔

—انسان غیراللہ کے نام پر روزے رکھتا تھا۔ دین حق نے اسے بھی اللہ کے لیے مختص کر دیا اور اس غرض کے لیے رمضان کے روزے فرض کر دیے۔

—انسان غیراللہ کے لیے تیرتھ یاترا کرتا اور استھانوں کے طواف کرتا تھا۔ دین حق نے اس کے لیے ایک بیت اللہ بنایا اور اس کا حج اور طواف فرض کر دیا۔

—اسی طرح انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک غیراللہ کے لیے قربانی کرتا رہا ہے۔ دین حق نے اسے بھی غیراللہ کے لیے حرام کر دیا اور حکم دیا کہ یہ چیز بھی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔

چنانچہ دیکھیے: ایک طرف قرآنِ مجید مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ [البقرہ ۲:۱۷۳] ''جسے

غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو' اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ [المائدہ ۵:۳] ''جسے استھانوں پر ذبح کیا گیا ہو'' کو قطعی حرام قرار دیتا ہے، اور دوسری طرف حکم دیتا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ [الکوثر ۱۰۸:۲] ''اپنے ربّ ہی کے لیے نماز پڑھ اور اسی کے لیے قربانی کر''۔

۲- انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بھی عطا فرمائی ہیں، ان سب کا شکریہ اس پر واجب ہے اور یہ شکریہ ہر نعمت کے لیے قربانی اور نذرانہ کی شکل میں ہونا چاہیے۔ ذہن اور نفس کے عطیے کا شکریہ اسی شکل میں ادا ہوسکتا ہے کہ آدمی ایمان و طاعت کی راہ اختیار کرے۔ جسم اور اس کی طاقتوں کا عطیہ یہی شکریہ چاہتا ہے کہ آدمی نماز اور روزے کی شکل میں اسے ادا کرے۔ مال کے عطیے کا شکریہ زکوٰۃ ہی کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے، اور زکوٰۃ بھی اس طرح کہ سیم و زر کی زکوٰۃ اسی سیم و زر سے، زرعی پیداوار کی زکوٰۃ اسی پیداوار میں سے، اور مواشی کی زکوٰۃ انھی مواشی میں سے نکال لی جائے۔ اسی طرح اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قدرت بخشی ہے اور ان سے طرح طرح کے بے شمار فائدے اُٹھانے کا جو موقع اس نے دیا ہے، اس کے شکریے کی بھی یہی صورت ہے کہ انسان ان جانوروں ہی میں سے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کرے۔ چنانچہ سورۂ حج میں قربانی کی ہدایت فرمانے کے بعد اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ: كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [الحج ۲۲:۳۶] ''اسی طرح ہم نے ان کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو''۔

۳- انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جو اقتدار اور تصرف کا اختیار بخشا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بالادستی اور اس کی حاکمیت و مالکیت کا اعتراف کرتا رہے، تاکہ اسے کبھی یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ سب کچھ میرا ہے اور مَیں ہی اس کا خودمختار مالک ہوں۔ اس بالاتری کے اعتراف کی مختلف شکلیں اللہ کے مختلف عطیوں کے معاملے میں رکھی گئی ہیں۔ جانوروں کے معاملے میں اس کی شکل یہ ہے کہ انھیں اللہ کے نام پر قربان کیا جائے۔ چنانچہ اسی سورۂ حج میں اسی سلسلۂ کلام میں آگے چل کر فرمایا گیا:

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ [الحج ۲۲:۳۷] اسی طرح اللہ نے ان کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے، تاکہ تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو اس ہدایت پر، جو اس نے تمھیں بخشی۔

یہی تین وجوہ ہیں، جن کی بنا پر قرآنِ مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیشہ سے تمام شرائع الٰہیہ میں تمام اُمتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ [الحج ۲۲:۳۴] اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا، تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔

اور یہ طریقہ جس طرح دوسری اُمتوں کے لیے تھا، اسی طرح شریعت محمدی میں اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مقرر کیا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الانعام ۶:۱۶۲-۱۶۳) اے محمدؐ، کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے مَیں سرِ اطاعت جھکانے والا ہوں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [کوثر ۱۰۸:۲] پس، اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

یہ حکمِ عام تھا جو قربانی کے لیے قرآن میں دیا گیا۔ اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ قربانی کب کی جائے، کہاں کی جائے، کس پر یہ واجب ہے، اور اس حکم پر عمل درآمد کرنے کی دوسری تفصیلات کیا ہیں؟ ان چیزوں کو بیان کرنے اور ان پر عمل کر کے بتانے کا کام اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا کیونکہ رسولؐ اس نے بلاضرورت نہیں بھیجا تھا۔ کتاب کے ساتھ رسولؐ بھیجنے کی غرض یہی تھی کہ وہ لوگوں کو کتاب کے مقصد و منشا کے مطابق کام کرنا سکھائے۔

[جولائی ۱۹۵۹ء]